حق کا بے جا استعمال: قرآن وسنّت اور فقہ صحابہ کی روشنی میں

* ڈاکٹر محی الدین ہاشمی

حق کے بے جا استعمال کو فقہی اصطلاح میں تعسّف کہا جاتا ہے جس کا لغوی مفہوم، سیدھی راہ سے انحراف اور پہلو تہی ہے۔ اصطلاحی مفہوم کے لحاظ سے "تعسّف " سے مراد یہ ہے کہ کوئی شخص اپنے قانونی حق کے تقاضے کے مطابق کوئی ایسا کام کرے جو دراصل جائز ہو لیکن اسے ایسے طریقے سے کرے جس سے دوسرے کو نقصان پہنچے یا شارع نے جس مقصد کے تحت اسے جائز قرار دیا تھا اس شرعی حکمت کے خلاف ہو۔

حق کے بے جا استعمال کی ممانعت قرآن وسنّت کی کئی نصوص سے ثابت ہے۔ تفصیل حسبِ ذیل ہے:

حق کا بے جا استعمال: قرآنِ حکیم کی روشنی میں

قرآنی احکام میں حق کے سوءِ استعمال کی ممانعت کی گئی ہے جس کی کئی مثالیں موجود ہیں۔ ان مثالوں سے بالوضاحت یہ معلوم ہوتا ہے کہ آدمی کو اپنے حق کے استعمال میں لامحدود اور غیر مشروط اختیارات حاصل نہیں ہوتے بلکہ شریعت کے عطا کردہ تمام تر حقوق مبنی بر مصالح ہیں۔ اگر ان حقوق کے استعمال کے ذریعے مطلوب مصالح حاصل کرنے کے بجائے انہیں دوسرے کے لیے باعثِ ضرر بنا دیا جائے تو ان کے استعمال پر قدغن لگائی جا سکتی ہے۔ اس اصول کی وضاحت کے لیے فقہِ قرآنی سے چند نمونے پیش کیئے جاتے ہیں:

الف۔ حقِ رضاعت اور حقِ ولایت کا سوءِ استعمال

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَالْوَالِدَاتُ يُرْضِعْنَ أَوْلاَدَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ لِمَنْ أَرَادَ أَن يُتِمَّ الرَّضَاعَةَ وَعَلَى الْمَوْلُودِ لَهُ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ لاَ تُكَلَّفُ نَفْسٌ إِلاَّ وُسْعَهَا لاَ تُضَآرَّ وَالِدَةٌ بِوَلَدِهَا وَلاَ مَوْلُودٌ لَّهُ بِوَلَدِهِ﴾(1)

''اور مائیں اپنے بچوں کو پورے دو برس تک دودھ پلائیں یہ [حکم] اس کے لیے ہے جو دودھ پلانے کی

---

* اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ فکر اسلامی، تاریخ وثقافت، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد۔

مدت پوری کرنا چاہے، اور دودھ پلانے والی ماؤں کا کھانا اور پہننا دستور کے مطابق بچے کے باپ پر لازم ہے، کسی جان کو اس کی طاقت سے بڑھ کر تکلیف نہ دی جائے، [اور] نہ ماں کو اس کے بچے کے باعث نقصان پہنچایا جائے اور نہ باپ کو اس کی اولاد کے سبب سے ضرر پہنچایا جائے"۔

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ رضاعت ماں کا حق ہے اور وہ کسی بھی دوسری عورت کی بنسبت اپنے بچے کو دودھ پلانے کا زیادہ استحقاق رکھتی ہے، کیوں کہ جو شفقت اور محبت اسے اپنے بچے سے ہوگی وہ کسی دوسری عورت کو نہیں ہوسکتی۔ البتہ استحقاق میں ماں کو ترجیح دینے کی شرط یہ ہے کہ جس اُجرت پر کوئی دوسری عورت دودھ پلانے پر راضی ہو ماں اس سے زائد کا مطالبہ نہ کرے۔(2)

جصّاص ﴿وَالْوَالِدَاتُ يُرْضِعْنَ أَوْلَادَهُنَّ﴾(3)(مائیں اپنے بچوں کو دودھ پلائیں) کی تفسیر کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مدّتِ رضاعت میں بچے کو دودھ پلانے کے حق میں ماں کو ترجیح دی ہے۔(4) پھر اس حکم کی مزید تاکید کرتے ہوئے فرمایا: ﴿لَا تُضَآرَّ وَالِدَةٌ بِوَلَدِهَا وَلَا مَوْلُودٌ لَّهُ بِوَلَدِهِ﴾(5)(ماں کو اپنے بچے کی وجہ سے ضرر نہ پہنچایا جائے اور نہ باپ کو اپنے بچے کی وجہ سے تکلیف میں ڈالا جائے) یعنی اگر ماں اس اُجرت پر بچے کو دودھ پلانے پر راضی ہو، جس اُجرت پر کوئی دوسری عورت دودھ پلانے پر تیار ہے تو باپ کو یہ حق نہیں کہ بچے کی ماں کو اذیّت میں مبتلا کر کے بچہ کسی دوسری عورت کے حوالے کر دے۔ یوں باپ کو اپنے بچے پر جو حقِ ولایت حاصل ہے، اسے اس کے بے جا استعمال سے منع کیا گیا ہے۔

یوں یہ آیت باپ کو صراحتاً اس امر سے روکتی ہے کہ وہ بچے پر اپنا حقِ ولایت اس طرح استعمال کرے جس سے بچے کی ماں کو تکلیف پہنچے۔ چنانچہ ماں اگر بچے کو بلا معاوضہ یا اتنی اُجرت پر، جو کوئی دوسری عورت لیتی ہو، دودھ پلانے پر رضا مند ہو تو اس سے بچہ چھین لینا اور بچے کو ماں سے مانوس ہونے سے روکنا باپ کے لیے جائز نہیں۔(6)

امام قرطبی کہتے ہیں کہ ماں اگر خود دودھ پلانا چاہے تو اُسے روکنا جائز نہیں ہے، یہ جمہور مفسّرین کی رائے ہے۔(7) نیز جصّاص کے بقول اگر ماں دودھ پلانے پر راضی ہو اور بچہ ماں سے مانوس ہو تو بچہ ماں سے نہ چھینا جائے۔(8) اگر ماں خود دودھ نہ پلائے تو اس صورت میں جصّاص کہتے ہیں کہ شوہر سے کہا جائے گا کہ وہ بچے کی ماں کے گھر دایہ لے کر آئے جو وہیں اُسے دودھ پلائے۔(9) اس صورت میں ماں کو اگرچہ کوئی مادی نقصان نہیں پہنچ رہا بلکہ نفسیاتی دکھ پہنچتا ہے تاہم ماں کو مادی اور نفسیاتی دونوں قسم کے نقصان پہنچانا ممنوع ہیں۔

مذکورہ بالا تفسیر سے اندازہ ہوتا ہے کہ حقِ ولایت کے ناجائز استعمال کے ذریعے باپ، ماں کو دو طرح کے نقصانات پہنچا سکتا ہے۔ ایک یہ کہ اس سے بچہ چھین لیا جائے اور دوسرے یہ کہ کسی دوسری عورت سے دودھ پلانے کی خدمت لی جائے۔ آیت میں دونوں معانی مراد ہیں اور دونوں قسم کے نقصانات پہنچانے سے شوہر کو منع کیا گیا ہے۔(10)

آیت ﴿لَا تُضَآرَّ وَالِدَةٌ بِوَلَدِهَا﴾(11)(ماں کو اس کے بچے کی وجہ سے تکلیف نہ پہنچائی جائے) کی تفسیر میں مجاہد کہتے

ہیں کہ بچے کو دودھ پلانے سے ماں کو روکا نہ جائے مبادا اس کے باعث اُسے صدمہ ہو۔(12)

ایک قول یہ ہے کہ ماں اگر نکاح میں ہو تو بچے کے باپ کو اُسے دودھ پلانے سے روکنے کا اختیار ہے بشرطیکہ ایسی صورت نہ ہو کہ بچے کو کسی دوسری عورت کا دودھ پلانا سرے سے ممکن نہ ہو، یہ امام شافعی کی رائے ہے لیکن یہ صرف اس صورت میں جائز ہے جب شوہر کی نیّت اپنی بیوی کو اذیت میں مبتلا کرنے کی نہ ہو بلکہ یہ نیّت ہو کہ اُسے رضاعت کی ذمہ داریوں سے بچا کر لطف اندوزی کے مواقع حاصل کیے جائیں۔(13)

رضاعت ماں کا حق ہونے کے علاوہ احناف کے ہاں ماں پر دیانتاً واجب بھی ہے(14) بلکہ ایسی صورت میں جب ماں کی رضاعت کے علاوہ کوئی اور صورت نہ ہو مثلاً بچہ ماں سے ہی مانوس ہو اور کسی دوسری عورت کا دودھ قبول کرنے کو آمادہ نہ ہو یا کوئی دایہ میسر نہ ہو یا باپ یا بچے کے پاس اتنا مال نہ ہو جس سے دودھ پلانے کے لیے دایہ کو اجرت دی جا سکے اور تبرّع کے طور پر (15) بھی کوئی دودھ پلانے والی میسر نہ ہو تو بچے کی زندگی کے تحفظ کے پیشِ نظر ماں پر قضاءً (عدالتی حکم کی رو سے) بھی بچے کو دودھ پلانا واجب ہے۔(16)

مذکورہ بالا آیت ماں کو بھی اس امر سے روکتی ہے کہ وہ اپنے حقِ رضاعت کو بایں طور استعمال کرے جس سے بچے کے باپ کو نقصان پہنچے۔ ماں اگر مطلّقہ ہے اور اس کی عدّت گزر چکی ہے تو اس کے لیے جائز نہیں کہ ایسی صورت میں بچے کو دودھ پلانے کی اُجرت طلب کرے جب کہ دوسری کوئی عورت بلا معاوضہ دودھ پلانے پر رضا مند ہو یا پھر وہ اُجرتِ مثل سے زیادہ اُجرت مانگے (17) کیوں کہ اس صورت میں بچے کے باپ کا نقصان ہے جس سے روکنا ضروری ہے۔(18) ان حالات میں بچہ دودھ پلانے کے لیے دوسری عورت کے حوالے کیا جا سکتا ہے۔ تاہم ماں نے اگر دوسری شادی نہ کی ہو تو بچہ اس سے نہ چھینا جائے گا۔

ابنِ رجب کہتے ہیں:

> ''اگر ماں اجرتِ مثل سے زیادہ معاوضہ مانگے اور باپ کو اجرتِ مثل پر دودھ پلانے کے لیے دایہ دستیاب ہو تو باپ کے لیے بچوں کی ماں کا مطالبہ پورا کرنا ضروری نہیں کیوں کہ وہ اُسے نقصان پہنچانے کے درپے ہے۔ امام احمد نے بھی اس کی تصریح کی ہے''۔(19)

خلاصہء کلام یہ ہے کہ مذکورہ بالا آیت کی رو سے ماں باپ دونوں پر واجب ہے کہ بچے کی وجہ سے کوئی فریق بھی دوسرے کو نقصان نہ پہنچائے اور اپنے حق کو اس طرح استعمال نہ کرے جس سے دوسرے کو تکلیف ہو نیز دونوں پر یہ بھی واجب ہے کہ بچے کو بھی نقصان سے محفوظ رکھیں۔ فقہِ اسلامی میں حق کے استعمال میں تعسّف کے اصول کے حوالے سے مذکورہ بالا آیت اصل کا درجہ رکھتی ہے۔

ب۔ حقِ اصلاح کا غلط استعمال

حقِ اصلاح کے غلط استعمال کی ایک مثال مشرکین کے سامنے ان کے خداؤں کی برائی کرنا ہے۔اس سے قرآن کریم میں صراحتاً ممانعت موجود ہے۔مشرکین کے سامنے ان کے خداؤں کی برائی کرنا اگر چہ ان امور میں سے ہے جو اصلاً مباح ہیں اور ان کے ذریعے کسی برائی تک پہنچنے کی نیت نہیں ہوتی لیکن اکثر اوقات وہ ایسی خرابی کا باعث بن جاتے ہیں جو مصلحت پر غالب ہوتی ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَا تَسُبُّوا الَّذِينَ يَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ فَيَسُبُّوا اللَّهَ عَدْوًا بِغَيْرِ عِلْمٍ﴾(20)

(اور جن لوگوں کو یہ مشرک خدا کے سوا پکارتے ہیں ان کو برا نہ کہنا کہ یہ بھی کہیں خدا کو بے ادبی سے بے سمجھے برا [نہ] کہہ بیٹھیں۔)

سنّتِ نبوی ﷺ سے اس مفہوم کے قریب حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((مِنَ الْكَبَائِرِ شَتْمُ الرَّجُلِ وَالِدَيْهِ قَالُوا يَا رَسُولَ اللَّهِ وَهَلْ يَشْتِمُ الرَّجُلُ وَالِدَيْهِ قَالَ نَعَمْ يَسُبُّ أَبَا الرَّجُلِ فَيَسُبُّ أَبَاهُ وَيَسُبُّ أُمَّهُ فَيَسُبُّ أُمَّهُ)) (21)

"کبیرہ گناہوں میں سے ایک یہ ہے کہ کوئی اپنے والدین کو گالی دے۔صحابہؓ نے عرض کیا: کیا کوئی اپنے والدین کو بھی گالی دے سکتا ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں !وہ ایسے کہ کوئی کسی کے والدین کو گالی دے اور بدلے میں دوسرا اس کے والدین کو گالی دے"۔

اس آیت سے استدلال یوں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے باطل معبودوں (بتوں وغیرہ) کو برا بھلا کہنے سے منع کیا ہے باوجودیکہ یہ عبادت کا کام ہے۔اس روکنے کی حکمت یہ ہے کہ کہیں یہ عمل اللہ تعالیٰ کو برا بھلا کہنے کا سبب نہ بن جائے اور اِس مصلحت کا لحاظ رکھنا بتوں کو گالی دینے کی نسبت زیادہ راجح ہے۔(22) چنانچہ حقِ اصلاح کا بایں طور استعمال ضروری ہے جو مقتضاءِ شرع کے موافق ہو۔

ج۔ حقِ وصیّت کا غلط استعمال

ارشادِ خداوندی ہے:

﴿مِنۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصَىٰ بِهَآ أَوْ دَيْنٍ غَيْرَ مُضَآرٍّ وَصِيَّةً مِّنَ اللَّهِ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَلِيمٌ﴾(23)

[یہ تقسیم بھی] اس وصیّت کے بعد [ہو گی] جو [وارثوں کو] نقصان پہنچائے بغیر کی گئی ہو یا قرض [کی ادائیگی] کے بعد، یہ اللہ کی طرف سے حکم ہے، اور اللہ خوب علم وحلم والا ہے۔)

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ وصیّت بذاتِ خود شرعاً جائز اور آدمی کا حق ہے لیکن یہ نہ تو مطلقاً وصیّت کرنے والے کی مرضی

پر منحصر ہے کہ وہ جیسے چاہے اس حق کو استعمال کرے اور اس سلسلے میں اس کی کوئی جواب دہی نہ ہو (چاہے اسے محض وارثوں کو نقصان پہنچانے کے لیے استعمال کرے۔) آیتِ مذکورہ میں صراحتاً اس سے روکا گیا ہے کہ وصیّت کسی کو نقصان پہنچانے کی غرض سے کی جائے۔ اسی بناء پر فقہِ اسلامی میں وصیّت خواہ ایک تہائی یا اس سے کم ترکہ میں ہو، اس میں یہ شرط ہے کہ اس کا مقصد ورثاء کو نقصان پہنچانا نہ ہو کیوں کہ آیت میں مطلقاً ضرر رسانی کی ممانعت ہے۔

امام احمدؒ کے مذہب (24) اور امام مالکؒ کی ایک روایت (25) کے مطابق ایک تہائی یا اس سے کم ترکہ کی وصیّت کسی غیر وارث کے لیے کرنا جب کہ نیّت یہ ہو کہ اس سے ورثاء کو نقصان پہنچے، تعسّف میں داخل ہے۔ شارع نے غیر وارث کے لیے وصیّت جائز قرار دی ہے مگر جب وصیّت کرنے والا اس کے ذریعے ورثاء کو نقصان پہنچانا چاہتا ہے تو ان فقہاء کی رائے کے مطابق ایسی وصیّت ناجائز قرار پائے گی۔ کیوں کہ وصیّت کے جائز حق کو ضرر رسانی کے لیے استعمال کرنے کی نیّت کی گئی ہے۔ ورثاء کو ضرر رسانی کی نیّت سے وصیّت کے دیانتاً ناجائز ہونے اور وصیت کرنے والے کے گناہ گار ہونے پر البتہ تمام فقہاء کا اتفاق ہے۔

ابنِ تیمیہ کا موقف یہ ہے کہ عبادات اور عادات دونوں میں مقاصد کا برابر اعتبار ہے اور تصرّفات میں نیّت اور ارادہ مؤثر ہوتا ہے اور مقصد کسی شے کو حلال یا حرام، صحیح یا فاسد کر دیتا ہے۔ (26) یہ ضروری نہیں ہے کہ نیّت صراحتاً بیان کی گئی ہو بلکہ اگر قرائن سے یہ معلوم ہو جائے کہ ان تصرّفات کے پیچھے ناجائز ارادہ کارفرما تھا تو یہی کافی ہے۔

ابنِ تیمیہ اس کی وضاحت کرتے ہوئے مذکورہ آیت کا بھی ذکر کرتے ہیں جس کی رو سے وصیّت میں ضرر رسانی ممنوع ہے، وہ کہتے ہیں:

ارشادِ خداوندی میں ﴿مِن بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصَى بِهَآ أَوْ دَيْنٍ غَيْرَ مُضَآرٍّ﴾ (27) (جب کہ وصیّت جو کی گئی ہو پوری کی جائے اور قرض ادا کر دیا جائے بشرطیکہ وہ ضرر رساں نہ ہو۔) اللہ تعالیٰ نے اس شخص کی وصیّت کو وراثت کی تقسیم پر مقدّم کیا ہے جس نے وصیّت کے ذریعے ورثاء کو نقصان نہیں پہنچایا۔ اگر ضرر رسانی کے لیے وصیّت کی ہے تو ایسی وصیّت حرام ہے اور ورثاء کو حق ہے کہ وہ اسے باطل کر دیں اور ورثاء کی رضامندی کے بغیر مالِ وصیّت لینا حرام ہے۔ (28)

قرطبی فرماتے ہیں کہ وصیّت کے ذریعے ورثاء کو نقصان پہنچانا کبیرہ گناہ ہے اور ایسی وصیّت کو نافذ کرنا گناہ پر اعانت کرنا ہے۔ جس کی نص نے ممانعت کی ہے، (29) ارشادِ خداوندی ہے ﴿وَلاَتَعَاوَنُواْ عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ﴾ (30) (اور گناہ اور ظلم (کے کاموں) پر ایک دوسرے کی مدد نہ کرو۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مروی حدیث میں ہے کہ وصیّت میں کسی کو نقصان دینا کبیرہ گناہوں میں سے ہے۔ (31)
سنن ترمذی میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ایک مرد اور عورت ساٹھ سال تک اللہ کی فرماں برداری کرتے رہتے ہیں۔ پھر جب ان کی موت کا وقت آتا ہے تو وصیّت کے ذریعے ورثاء کو نقصان پہنچا جاتے ہیں تو ان کے لیے جہنم واجب ہو جاتی ہے۔ (32)

اس حدیث کے راوی شہر بن حوشب کہتے ہیں کہ ابوھریرہؓ نے اس پر یہ آیت تلاوت کی: ﴿مِن بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصَى بِهَآ أَوْ دَيْنٍ غَيْرَ مُضَآرٍّ﴾(33)

خلاصہ یہ ہے کہ مذکورہ آیت جو ایک تہائی یا اس سے کم مال کی غیر وارث یا کسی کارِ خیر کے لیے وصیّت کو شامل ہے، محققین فقہاء اور مفسرین کی راجح رائے کے مطابق وصیّت کے باطل ہونے پر دلالت کرتی ہے بشرطیکہ وصیّت کے ذریعے محض ورثاء کو نقصان پہنچانا مقصود ہو یا وصیّت کا بڑا محرّک ضرر رسانی ہو۔ ایسی وصیّت کو باطل قرار دینے کا حکم شارع کے مقصد سے ہم آہنگ ہے پس یہ آیت فقہِ اسلامی میں جائز حق کے بے جا استعمال کے نظریے (نظریۂ تعسّف) کے دلائل میں سے ایک اہم دلیل اور مأخذ ہے۔

د۔ جائز کام کا بطور حیلہ غلط استعمال

اللہ تعالیٰ نے جائز کام کی آڑ میں حیلہ کے ذریعہ ممنوع فعل کے ارتکاب پر سزا کی وعید دی ہے جو اس بات کی دلیل ہے کہ اگر کوئی جائز فعل کسی ممنوع چیز تک پہنچائے تو اسے اختیار کرنا حرام ہے۔ اس کی مشہور مثال اللہ تعالیٰ کا اصحاب السبت کی مذمت کرنا ہے، جنہیں اللہ نے ہفتے والے دن مچھلی کے شکار سے منع فرما کر آزمایا تو انھوں نے حیلہ گری کرتے ہوئے مقصدِ شارع کی خلاف ورزی کی۔ ارشادِ خداوندی ہے:

﴿وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ الَّذِينَ اعْتَدَوْا مِنكُمْ فِي السَّبْتِ فَقُلْنَا لَهُمْ كُونُوا قِرَدَةً خَاسِئِينَ﴾(34)

''اور تم ان لوگوں کو خوب جانتے ہوں، جو تم میں سے ہفتے کے دن (مچھلی کا شکار کرنے) میں حد سے تجاوز کر گئے تھے، تو ہم نے ان سے کہا کہ ذلیل وخوار بندر ہو جاؤ''۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ کسی عمل کے جائز ہونے کے لیے محض اس کا اصلاً جائز ہونا کافی نہیں بلکہ ضروری ہے کہ شارع کی حقیقی منشاء کو بھی پیشِ نظر رکھنا لازم ہے، وگرنہ یہ عمل تعسف کے زمرے میں داخل ہوگا۔

ھ۔ حقِ رجوع کا غلط استعمال

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَإِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاء فَبَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَأَمْسِكُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ أَوْ سَرِّحُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ وَلاَ تُمْسِكُوهُنَّ ضِرَارًا لَّتَعْتَدُواْ وَمَن يَفْعَلْ ذَلِكَ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهُ وَلاَ تَتَّخِذُوَاْ آيَاتِ اللّهِ هُزُوًا وَاذْكُرُواْ نِعْمَتَ اللّهِ عَلَيْكُمْ وَمَا أَنزَلَ عَلَيْكُمْ مِّنَ الْكِتَابِ وَالْحِكْمَةِ يَعِظُكُم بِهِ وَاتَّقُواْ اللّهَ وَاعْلَمُواْ أَنَّ اللّهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ﴾(35)

''اور جب تم عورتوں کو طلاق دو اور وہ اپنی عدّت [پوری ہونے] کو آ پہنچیں تو انہیں اچھے طریقے سے [اپنی زوجیّت میں] روک لو یا انہیں اچھے طریقے سے چھوڑ دو، اور انہیں محض تکلیف دینے کے لیے نہ روکے رکھو کہ [ان پر] زیادتی کرتے رہو، اور جو کوئی ایسا کرے پس اس نے اپنی ہی جان پر ظلم کیا، اور اللہ کے احکام کو مذاق نہ بنا لو، اور یاد کرو اللہ کی اس نعمت کو جو تم پر [کی گئی] ہے اور اس کتاب کو جو اس نے تم پر نازل فرمائی ہے اور دانائی [کی باتوں] کو [جن کی اس نے تمہیں تعلیم دی ہے] وہ تمہیں [اس امر کی] نصیحت فرماتا ہے، اور اللہ سے ڈرو اور جان لو کہ بیشک اللہ سب کچھ جاننے والا ہے''۔

نیز ارشاد ہے:

﴿وَالْمُطَلَّقَاتُ يَتَرَبَّصْنَ بِأَنفُسِهِنَّ ثَلاَثَةَ قُرُوءٍ وَلاَ يَحِلُّ لَهُنَّ أَن يَكْتُمْنَ مَا خَلَقَ اللّهُ فِي أَرْحَامِهِنَّ إِن كُنَّ يُؤْمِنَّ بِاللّهِ وَالْيَوْمِ الآخِرِ وَبُعُولَتُهُنَّ أَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ فِي ذَلِكَ إِنْ أَرَادُواْ إِصْلاَحًا﴾(36)

''اور طلاق یافتہ عورتیں اپنے آپ کو تین حیض تک روکے رکھیں، اور ان کے لیے جائز نہیں کہ وہ اسے چھپائیں جو اللہ نے ان کے رحموں میں پیدا فرما دیا ہو، اگر وہ اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتی ہیں، اور اس مدت کے اندر ان کے شوہروں کو انہیں [پھر] اپنی زوجیت میں لوٹا لینے کا حق زیادہ ہے اگر وہ اصلاح کا ارادہ کر لیں''۔

مذکورہ بالا دونوں آیات میں اللہ تعالیٰ نے اس شخص کو جو اصلاح پر آمادہ ہے، اور بیوی کو نقصان نہیں پہنچانا چاہتا، اسے اپنے حقِ رجوع کو استعمال کرنے کی اجازت دی ہے مگر جو شوہر اپنی مطلّقہ بیوی کو محض اذیّت دینے اور تکلیف میں مبتلا رکھنے کے لیے اپنا حقِ رجوع استعمال کرنا چاہتا ہے، شارع نے اس سے منع کرتے ہوئے کہا ہے﴿وَلاَ تُمْسِكُوهُنَّ ضِرَارًا لَّتَعْتَدُواْ﴾(37) (مطلقہ بیویوں کو نقصان پہنچانے کی غرض سے نہ روکے رکھو۔)

معاہدۂ نکاح کے تقاضے کے مطابق، طلاق کی صورت میں، رجوع ایسا حق ہے جو اللہ نے شوہر کو دیا ہے تاکہ وہ طلاقِ رجعی (38) کے بعد دوبارہ ازدواجی زندگی گزار سکے بشرطیکہ اس کی نیّت یہ ہو کہ از سرِ نو خوشگوار ازدواجی زندگی سے لطف اندوز ہوا جائے اور اللہ کی حدود کی پاس داری کی جائے۔ اگر شوہر اپنے اس حق کو بیوی کی ایذاء رسانی کا ذریعہ بناتا ہے تاکہ رجوع کے ذریعے اس کی عدّت دراز تر ہو جائے یا وہ اس اذیّت سے نکلنے کے لیے خلع لینے پر مجبور ہو تو یہ ایسا کام ہے جس کی شریعت اجازت نہیں دیتی کیوں کہ یہ اپنے جائز حق کا غلط استعمال ہے۔(39)

تفسیر قرطبی میں اس امر کی یوں وضاحت کی گئی ہے:

"جاہلیت میں طلاق کی کوئی تعداد مقرر نہیں تھی البتہ عدّت کا زمانہ مقرر اور متعین تھا۔ ابتداءِ اسلام میں کچھ عرصے تک یہی صورت رہی جس کے نتیجے میں مرد اپنی بیوی کو جتنی چاہتا طلاقیں دے دیتا اور جب عدّت ختم ہونے کے قریب ہوتی تو اس سے رجوع کر لیتا اور جب تک چاہتا یہ سلسلہ جاری رکھتا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں ایک شخص نے اپنی بیوی سے کہا: نہ تو میں تمہیں آباد کروں گا اور نہ تمہیں چھوڑ دوں گا کہ تم دوسری جگہ نکاح کر سکو، اس نے پوچھا، وہ کیسے؟ وہ کہنے لگا، جب تمہاری عدّت پوری ہونے کے قریب ہو گی تو میں رجوع کر لیا کروں گا۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ اس آیت کا شانِ نزول بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں: ''مرد اپنی بیوی کو طلاق دے دیتا، پھر عدّت پوری ہونے سے پہلے اس سے رجوع کر لیتا، پھر اُسے طلاق دے دیتا، اس طرح اُسے اذیت میں مبتلا رکھتا اور دوسری جگہ نکاح سے روکے رکھتا اس پر اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی"۔(40)

اس امر میں فقہاء کا کوئی اختلاف نہیں کہ جو شخص بیوی کو اذیّت دینے کے ارادے سے رجوع کرتا ہے وہ گناہ گار ہوگا کیوں کہ وہ اپنے حق کا ناجائز استعمال کرتا ہے۔ اذیّت دینے کے لیے رجوع کرنے کی تفصیلات میں فقہاء نے اختلاف کیا ہے۔ جس کی تفصیل حسبِ ذیل ہے:

ایک قول یہ ہے کہ بیوی کو بہر حال از سرِ نو عدّت گزارنا ہو گی۔ اس قول کے قائلین میں امام ابوحنیفہؒ، زہریؒ، ثوریؒ، اور امام شافعیؒ [اپنے جدید قول کے مطابق] اور امام احمد [اپنی ایک روایت کے مطابق] شامل ہیں۔(41)

امام مالک کی رائے یہ ہے کہ جو شخص عدّت پوری ہونے سے پہلے اپنی بیوی سے رجوع کر لے پھر جنسی تعلق کے بغیر اسے طلاق دے دے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ بیوی کی عدّت دراز کر کے اسے اذیت دینا چاہتا ہے۔ لہٰذا عورت نئے سرے سے عدّت شمار نہیں کرے گی بلکہ پہلے گزری ہوئی عدّت کو حساب میں رکھ کر اپنی عدّت مکمل کر لے گی۔ اس طرح شوہر کے حقِ رجعت کے غلط استعمال کو روکا جائے گا۔ تاہم اگر شوہر کی نیّت ایذاء رسانی کی نہیں تھی، تو دوسری طلاق کے بعد نئے سرے سے عدّت شمار کی جائے گی۔ عطاء، قتادہ، امام شافعی کے قدیم قول اور امام احمد کی ایک روایت کے مطابق شوہر کی نیت دیکھے بغیر سابقہ عدّت شمار ہو گی۔(42)

ابنِ تیمیہ ﴿وَبُعُولَتُهُنَّ أَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ فِي ذَلِكَ إِنْ أَرَادُوا إِصْلَاحًا﴾(43) (اگر ان کے شوہر اصلاح پر آمادہ ہوں تو وہ اپنی مطلقہ بیویوں سے رجوع کے حق دار ہیں) کی تفسیر میں کہتے ہیں کہ یہ آیت اس حکم کے بارے میں قطعی ہے کہ رجوع کا حق صرف اس شوہر کو ہے جو اصلاح پر آمادہ ہے جو اذیّت دینا چاہتا ہے اسے یہ حق حاصل نہیں ہے۔(44) ابنِ تیمیہ کے نزدیک ایذاء رسانی کی نیّت سے کیا گیا رجوع مؤثر نہیں ہوتا اور بیوی کو اختیار ہے کہ اپنا معاملہ عدالت میں پیش کر کے زیادتی کے مرتکب اپنے شوہر سے

علیحدگی کا فیصلہ حاصل کرے۔(45)

خلاصۂ بحث یہ ہے کہ شارع نے اس مقصد کے لیے شوہر کے ہاتھ میں حقِ رجوع دیا ہے تا کہ وہ اپنی مطلقہ رجعیہ بیوی کے ساتھ ازسرنو ازدواجی زندگی استوار کر سکے۔ ہوسکتا ہے اس نے طلاق دینے میں جلد بازی کا مظاہرہ کیا ہو تو رجوع کر کے اس کی تلافی کر سکے۔ اگر شوہر نے اس حق کو بیوی کی ایذاء رسانی کے لیے استعمال کیا اور رجوع سے اس کا مقصد بجز اس کے کچھ نہیں تھا کہ بیوی کی تکلیف دوگونہ کر دے تو اس نے اپنے حق کا ناجائز استعمال کیا ہے۔

و۔قرض کی وصولی کے حق کا ناروا استعمال

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَإِن كَانَ ذُو عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ إِلَى مَيْسَرَةٍ وَأَن تَصَدَّقُواْ خَيْرٌ لَّكُمْ إِن كُنتُمْ تَعْلَمُونَ﴾(46)

''اور اگر قرض دار تنگدست ہو تو خوشحالی تک مہلت دی جانی چاہیے، اور تمہارا [قرض کو] معاف کر دینا تمہارے لیے بہتر ہے اگر تمہیں معلوم ہو''۔

اس آیت سے دو امور معلوم ہوتے ہیں:

① قرض دار کی تنگدستی ظاہر ہو جائے تو اسے مہلت دینا واجب ہے۔

② قرض دار کا سارا یا کچھ قرض معاف کر دینا اور صدقہ کر دینا مستحب ہے تا کہ تنگ دستی میں پسے ہوئے فرد کے لیے نرمی اور آسانی پیدا ہو۔ لیکن اگر قرض دار خوشحال ہو اور اسے قرض کی واپسی میں کوئی دشواری نہ ہو تو پھر ادا نہ کرنا اس کے لیے جائز نہ ہوگا۔

حدیثِ نبوی ﷺ میں ہے ﴿مَطْلُ الْغَنِيِّ ظُلْمٌ﴾(47) (خوش حال شخص کا قرض ادا کرنے میں ٹال مٹول کرنا ظلم ہے۔) کی روشنی میں جمہور حنفیہ نے رائے اختیار کی ہے کہ قرض دار پر جب قرض ثابت ہو جائے اور وہ ادا نہ کر رہا ہو تو اُسے دو تین ماہ کے لیے نظر بند کر دیا جائے۔ اگر باز پرس کے ذریعے معلوم ہو کہ وہ تنگ دست ہے تو اسے چھوڑ دیا جائے ورنہ جب تک قرض ادا نہ کرے قید میں رکھا جائے۔ اگر اس کی غربت اور تنگ دستی معروف ہو تو شروع سے ہی اسے نظر بند نہ کیا جائے۔ مذکورہ بالا آیت کا یہی تقاضا ہے کیوں کہ ایسے شخص کا قرض ادا نہ کرنا ظلم نہیں ہے۔

نظر بندی کا مطالبہ اگرچہ قرض خواہ کا قرض دار پر حق ہے جو کہ قرض ادا کرنے پر مجبور کرنے کے لیے مشروع ہوا ہے، لیکن اگر اس ذریعے کو اختیار کرنے کے باوجود مقصد کا حصول ناممکن ہو (یعنی قرض دار مفلس ہو) تو اس صورت میں اس حق کا استعمال تعسف قرار پائے گا کیوں کہ اسے بے جا طور پر ایسے موقع پر استعمال کیا گیا ہے جہاں متوقع نتائج حاصل نہیں ہو سکتے۔ عز بن عبدالسلام کا قول ہے ''ہر وہ تصرّف جو نتیجہ خیز نہ ہو باطل ہے۔''(48)

البدائع کے مؤلف قرض دار اور اس کی نظر بندی سے متعلق ان احکام کے اسباب وعلل یوں ذکر کرتے ہیں۔نظر بندی کی شرائط میں پہلی شرط یہ ہے کہ قرض دار قرض ادا کرنے پر قادر ہو، اگر وہ تنگ دست ہو تو اُسے نظر بند کرنا جائز نہیں کیوں کہ اللہ تعالیٰ کا رشاد ہے﴿وان كان ذوعسرة فنظرة الى ميسرة﴾(49)(اگر قرض دار تنگ دست ہے تو اسے کشائش تک مہلت دی جائے) نیز نظر بندی کا مقصد یہ ہے کہ قرض خواہ کو اپنے حق کے وصول کرنے کے سلسلے میں ظلم سے تحفظ دیا جائے۔ جب قرض ادا کرنے پر قدرت نہ ہونے کی وجہ سے اس پر ظلم نہیں ہو رہا، تو مقروض کو قید میں رکھنے کا کوئی فائدہ نہیں کیوں کہ نظر بندی بذات خود مقصود نہیں ہے بلکہ اس کا شرعی جواز صرف اس لیے ہے کہ اس کے ذریعے قرض کی وصولی ہو سکے گی۔(50)

مذکورہ بالا آیت سے حق کے سوءِ استعمال کے حوالے سے جو اہم نتیجہ سامنے آتا ہے وہ یہ ہے کہ اگر مقصد ساقط ہو جائے تو اس کا وسیلہ (ذریعہ) بھی ساقط ہو جاتا ہے۔فقہاء کی تصریح کے مطابق وسائل کا بذاتِ خود کوئی شرعی جواز نہیں ہے کیوں کہ اگر یہ معلوم ہو یا غالب گمان ہو کہ وسیلہ کا استعمال بے ثمر رہے گا اور اس سے وہ مقصد حاصل نہیں ہوگا جسے حاصل کرنے کے لیے وسیلہ کا استعمال جائز قرار دیا گیا تھا تو وسیلہ کا اختیار کرنا درست نہ ہوگا۔

حق کا بے جا استعمال: سنّتِ نبوی وفقہِ صحابہ کی روشنی میں

رسول اللہ کی ایک مشہور حدیث ''لاَ ضَرَرَ وَلاَ ضِرَارَ''(51) حق کے بے جا استعمال کی ممانعت کے سلسلے میں اصل کا درجہ رکھتی ہے۔ یہ حدیث اگر چہ خبر واحد ہے لیکن اس کا مفہوم قرآنِ حکیم کی متعدد آیات اور کئی دوسری احادیث نبویہ سے ثابت ہونے کے علاوہ اس قدر اہمیت کا حامل ہے کہ فقہاء ومجتہدین نے اسے قواعدِ کلیہ میں شمار کیا ہے اور بے شمار فقہی مسائل کے استنباط واستخراج کے لیے اسے اساس بنایا جاتا ہے۔

اس حدیث کے عموم کا تقاضا یہ ہے کہ یہ ہر طرح کے ضرر کو شامل ہے خواہ وہ انسان کی ذات سے متعلق ہو یا اس کے مال، عزت پر اس کے حقوق میں سے کسی حق سے متعلق ہو مثلاً حق ادا کرنے سے کسی کو روکا گیا ہو وغیرہ۔ یہ حدیث اس نقصان کو بھی شامل ہے جو کسی ایسے کام کے نتیجے میں واقع ہو جو بذاتِ خود جائز ہے یعنی جائز حق کے ناجائز استعمال (تعسّف) کو۔ یہ حدیث حقوق کے استعمال کے ضمن میں کسی کو نقصان پہنچانے کی ممانعت کے حوالے سے اصل کا درجہ رکھتی ہے جس میں ہر صاحبِ حق کو اپنا حق اس انداز سے استعمال کرنے سے منع کیا گیا ہے جو کسی دوسرے کے لیے ضرر کا باعث ہو۔(52)

حدیث ''لاَ ضَرَرَ وَلاَ ضِرَارَ'' کے مقتضیٰ پر عمل کرنے کے دو طریقے ہیں:

① نقصان ہونے سے پہلے نقصان سے بچانا۔

② نقصان ہونے کے بعد اس کی تلافی کرنا۔

نقصان کبھی متوقع ہوتا ہے اور کبھی بالفعل واقع ہو جاتا ہے۔ اگر نقصان متوقع ہو تو حدیث پر عمل کرنے کا تقاضا یہ ہے کہ اس کے وقوع کو روکا جائے۔ فقہی قاعدہ "الضرر یزال" (53) اسی پر مبنی ہے۔ علاوہ ازیں سدِّ ذرائع کا اصول کو جسے فقہاء نے کسی نہ کسی شکل میں اختیار کیا ہے جب کہ مالکیہ اور حنابلہ نے وسیع پیمانے پر اس کا اطلاق کرتے ہوئے اسے متوقع ضرر سے تحفظ فراہم کرنے کے لیے استعمال کیا ہے۔ (54)

احناف بعض صورتوں میں قیاس کو ترک کر کے استحسان پر عمل کرتے ہیں۔ اس کی وجہ بھی یہی ہے کہ وہ اس کے ذریعے متوقع نقصان کا دفعیہ کرتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ اگر مالک کے اپنی غیر منقولہ جائیداد میں تصرّف کی وجہ سے پڑوسی کو شدید نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو تو مالک کو اس تصرّف سے استحساناً روک دیا جائے گا، اگرچہ قیاس کا تقاضا اس سے مختلف ہے۔ (55)

اگر نقصان فی الواقعہ ہو جائے تو اس حدیث پر عمل کا تقاضا یہ ہے کہ نقصان کا ازالہ کیا جائے، یعنی اس کے اسباب کا ازالہ کیا جائے تا کہ مستقبل میں نقصان کا سلسلہ جاری نہ رہے اور جو نقصان ہو چکا اس کا معاوضہ ادا کیا جائے۔

رسول اللہ ﷺ نے حقِ ملکیت کے استعمال کے دوران دوسرے شخص کو نقصان پہنچانے سے منع فرمایا ہے اور اگر کسی دوسرے کے نقصان سے تحفظ ممکن نہ ہو سکا تو آپ نے نقصان کے سبب کا قلع قمع کرنے کا فیصلہ صادر فرمایا۔ حضرت سمرہ بن جندب والی حدیث میں ہے کہ وہ اپنی کھجور تک پہنچنے کے لیے ایک انصاری کے باغ میں داخل ہونے کا اپنا حق استعمال کرتے تھے۔ انصاری کو حضرت سمرہ کے اس حق کے استعمال سے تکلیف پہنچتی تھی۔ رسول اللہ نے انصاری کی تکلیف دور کرنے کے لیے کئی ایک حل تجویز فرمائے لیکن حضرت سمرۃ کو اسی صورت پر اصرار تھا، جس میں انصاری کو تکلیف پہنچتی تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ حضرت سمرۃ کی مملوکہ کھجور کو جڑ سے اکھاڑ کر پھینک دیا جائے، (56) کیوں کہ کھجور کا باقی رہنا حضرت سمرہ کا انصاری کے باغ میں داخل ہونے کے حق کی بقا کی علّت تھا جو کہ انصاری کے لیے موجبِ ضرر تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے علّتِ ضرر کا خاتمہ کر کے حقِ ملکیت کے استعمال سے پیدا ہونے والے نقصان کو دور کر دیا اور حضرت سمرہ سے فرمایا: "أَنْتَ مُضَارٌّ" (57) (تم محض تکلیف دینا چاہتے ہو)

سنّتِ نبوی سے مأخوذ درج ذیل واقعہ سے یہ سبق ملتا ہے کہ حقِ ملکیت کے ایسے استعمال سے روکا جائے جو کسی دوسرے کو نقصان پہنچانے کا باعث ہو۔ ارشادِ نبوی ہے:

((مَثَلُ الْقَائِمِ عَلَى حُدُودِ اللّٰهِ وَالْوَاقِعِ فِيهَا كَمَثَلِ قَوْمٍ اسْتَهَمُوا عَلَى سَفِينَةٍ فَأَصَابَ بَعْضُهُمْ أَعْلَاهَا وَبَعْضُهُمْ أَسْفَلَهَا فَكَانَ الَّذِينَ فِي أَسْفَلِهَا إِذَا اسْتَقَوْا مِنَ الْمَاءِ مَرُّوا عَلَى مَنْ فَوْقَهُمْ فَقَالُوا لَوْ أَنَّا خَرَقْنَا فِي نَصِيبِنَا خَرْقًا وَلَمْ نُؤْذِ مَنْ فَوْقَنَا فَإِنْ يَتْرُكُوهُمْ وَمَا أَرَادُوا هَلَكُوا جَمِيعًا وَإِنْ أَخَذُوا عَلَى أَيْدِيهِمْ نَجَوْا وَنَجَوْا جَمِيعًا)) (58)

''اللہ کی حدود پر قائم رہنے والے اور اس میں داخل ہونے والے کی مثال اس جماعت جیسی ہے جو کسی کشتی پر سوار ہوئے۔ بعض لوگ کشتی کے اوپر والے حصّہ میں سکون پذیر ہوئے جب کہ بعض اس کی نچلی منزل میں، نچلی منزل میں ٹھہرنے والوں کو پانی کی ضرورت پڑی تو وہ اوپر والوں کے پاس گئے اور انھیں کہا کہ ہم نیچے اپنے حصّے میں پانی کے لیے سوراخ کرنے لگے ہیں کیونکہ ہم آپ لوگوں کو تکلیف نہیں دینا چاہتے۔ اگر اوپر والوں نے انھیں اسی حال میں چھوڑ دیا تو سارے ہلاک ہو جائیں گے اور اگر انھوں نے انھیں ایسا کرنے سے روک لیا تو سارے لوگ ڈوبنے سے بچ جائیں گے''۔

یہ حدیثِ مبارکہ بھی حق کے بے جا استعمال کی ممانعت کے لیے اصل کا درجہ رکھتی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اگر چہ نیچے والے لوگ اپنی حد کے اندر رہتے ہوئے تصرّف کر رہے ہیں جس کا اصلاً وہ استحقاق بھی رکھتے ہیں اور اس میں ان کی کوئی بری نیّت بھی نہیں بلکہ اپنی ایک ضرورت پوری کرنے کی خاطر وہ ایسا کر رہے ہیں مگر چونکہ ان کا یہ عمل خود ان کے لیے اور دیگر ہم سفروں کے لیے ہلاکت کا باعث بن سکتا ہے اس لیے ان کا یہ عمل اپنے حق کا سوءِ استعمال اور تعسّف ہے جس سے منع کرنا دوسروں کی ذمہ داری ہے۔

حدیثِ مبارکہ سے حق کے بے جا استعمال کی ممانعت کی ایک مثال حکومتی اہل کاروں کو ہدیہ دینا ہے۔ یہ بالعموم ایسا حیلہ ہے جس کے ذریعے رشوت کو بطور ہدیہ پیش کیا جاتا ہے تا کہ اس کے ذریعے غیر شرعی طریقے سے اپنی اغراض پوری کی جائیں اور اسے غیر حلال طریقے سے مال کمانے کا ذریعہ بنایا جائے۔

صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ایک شخص کو بنوسلیم سے صدقات لینے کی ذمہ داری سونپی۔ جب وہ واپس آیا تو کہنے لگا کہ یہ تمہارے مال کا حساب ہے اور یہ میرے لیے ہدیہ ہے۔ اس پر نبی اکرم ﷺ نے فرمایا اپنے ماں باپ کے گھر جا کے کیوں نہیں بیٹھ جاتے اور دیکھتے کہ کیا تمہیں وہاں بھی کوئی ہدیہ لا کر دیتا ہے۔ پھر نبی اکرم ﷺ نے خطبہ دیتے ہوئے فرمایا:

((أَمَّا بَعْدُ فَإِنِّي أَسْتَعْمِلُ الرَّجُلَ مِنكُمْ عَلَى الْعَمَلِ مِمَّا وَلَّانِي اللَّهُ فَيَأْتِي فَيَقُولُ هَذَا مَالُكُمْ وَهَذَا هَدِيَّةٌ أُهْدِيَتْ لِي أَفَلَا جَلَسَ فِي بَيْتِ أَبِيهِ وَأُمِّهِ حَتَّى تَأْتِيَهُ هَدِيَّتُهُ وَاللَّهِ لَا يَأْخُذُ أَحَدٌ مِنكُمْ شَيْئًا بِغَيْرِ حَقِّهِ إِلَّا لَقِيَ اللَّهَ يَحْمِلُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ)) (59)

''میں نے تم میں سے ایک آدمی کو ایسے کام پر مامور کیا تھا جس کی ولایت اللہ نے میرے سپرد کی تھی تو اس نے کہا کہ یہ تم لوگوں کا مال ہے اور یہ وہ مال ہے جو مجھے ہدیہ میں دیا گیا ہے۔ کیا وہ اپنے باپ کے گھر بیٹھتا تو بھی لوگ اسے ہدیہ دیتے؟ اللہ کی قسم! تم میں سے جو کوئی بھی اپنے حق کے علاوہ کچھ لے گا تو قیامت والے دن وہ اس کا بوجھ اٹھائے ہوئے آئے گا''۔

سنتِ نبوی سے ایک اور مثال حقِ نکاح کے ناجائز استعمال کی ہے جو نکاحِ حلالہ کے نام سے موسوم ہے۔ اس میں نکاح

کرنے والا اس بات کا ارادہ نہیں کرتا کہ منکوحہ اس کی بیوی بنے اور نہ ہی وہ اس کا ارادہ کرتی ہے۔ اس طرح یہ نکاح کے شرعی الفاظ کے ذریعہ ایک غیر شرعی اور ایسے امر کا ارادہ کرتا ہے جو احکامِ عقد سے خارج ہے۔(60) حضرت عبداللہ ابن عباسؓ سے مروی حدیث کی رو سے جب نبی ﷺ سے نکاحِ حلالہ کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا:

((لا نِكَاحَ إلا نِكَاحَ رَغْبَةٍ، لا نِكَاحَ دَلْسَةٍ، وَلا مستهزءٍ بِكِتَابِ اللّٰهِ)) (61)

''نکاح رغبت کے بغیر نہیں ہوسکتا اور نہ ہی دھوکے سے یا کتاب اللہ کا مذاق اڑا کر نکاح ہوتا ہے''۔

حقِ عقد کے غلط استعمال کی ممانعت بھی سنت سے ثابت ہے۔ اس کی ایک صورت یہ ہے کہ دورانِ معاہدہ مداخلت کرتے ہوئے فریقین کے مابین ہونے والے ممکنہ ومتوقع عقد پر اثر انداز ہوا جائے۔ مثال کے طور پر ایک شخص کے پیغام پر دوسرے شخص کا پیغامِ نکاح دینا جس کی حدیثِ نبوی میں ممانعت آئی ہے۔ اسی طرح فریقین کے دورانِ معاہدہ تیسرے شخص کا معاہدے میں شامل ہونا بھی درست نہیں۔ حضرت عقبہ بن عامرؓ سے روایت ہے کہ رسول اکرم نے فرمایا:

((الْمُؤْمِنُ أَخُو الْمُؤْمِنِ فَلا يَحِلُّ لِلْمُؤْمِنِ أَنْ يَبْتَاعَ عَلَى بَيْعِ أَخِيهِ وَلا يَخْطُبَ عَلَى خِطْبَةِ أَخِيهِ حَتَّى يَذَرَ)) (62)

''مومن مومن کا بھائی ہے، کسی مومن کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ اپنے بھائی کی زیرِ خرید چیز کو خریدے اور نہ یہ حلال ہے کہ اپنے بھائی کے پیغام نکاح پر پیغام نکاح دے''۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی کے رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

((وَلا يَخْطُبُ الرَّجُلُ عَلَى خِطْبَةِ أَخِيهِ حَتَّى يَنْكِحَ أَوْ يَتْرُكَ)) (63)

''کوئی شخص اپنے بھائی کے پیغامِ نکاح پر پیغامِ نکاح نہ دے الا یہ کہ وہ (پہلا شخص) نکاح کرلے یا چھوڑ دے''۔

حدیث میں وارد نہی کی وجہ سے ایک شخص کے پیغامِ نکاح پر دوسرے شخص کا پیغامِ نکاح دینا اور اس کے بعد نکاح کرلینا آیا عقدِ نکاح کو فاسد کردیتا ہے؟ اس مسئلہ میں علماء کا اختلاف ہے۔ جمہور علماء کی رائے یہ ہے کہ نکاح فاسد نہیں ہوگا کیوں کہ جس چیز کی ممانعت ہے وہ (پیغامِ نکاح) عقدِ نکاح سے خارج ہے۔

امام مالکؒ کی رائے یہ ہے کہ مباشرت سے قبل ایسے نکاح کو فسخ کیا جائے گا لیکن مباشرت کے بعد فسخ نہیں کیا جاسکتا۔ امام احمدؒ کا موقف بھی یہی ہے جب کہ داؤد ظاہری کے نزدیک اس قسم کا نکاح فسخ تصوّر ہوگا خواہ مباشرت سے پہلے ہو یا بعد میں۔ (64)

فقہِ صحابہؓ تمام تر مقاصدِ شریعت کی ترجمانی کرتی ہے اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیھم اجمعین اور بالخصوص خلفاءِ راشدین کے عدالتی فیصلوں میں یہ پہلو نمایاں طور پر دیکھا جاسکتا ہے۔ حق کے سوءِ استعمال کے حوالے سے فقہِ صحابہ سے یہاں چند مثالیں پیش کی جاتی ہیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کئی ایک مواقع پر مالک کو اس سے منع کر دیا ہے کہ وہ اپنا جائز حق بے جا طریقے سے استعمال کرے۔ آپ کے عصرِ خلافت میں جب محمد بن مسلمہؓ اپنی مملوکہ زمین سے ضحاک کو پانی کی نالی گزارنے کی اجازت نہیں دے رہے تھے، حالانکہ اس کی وجہ سے محمد بن مسلمہؓ کو خود کوئی نقصان نہیں ہو رہا تھا بلکہ اس میں انھیں بھی فائدہ تھا، حضرت عمرؓ نے محمد بن مسلمہؓ کو مجبور کرتے ہوئے انھیں حق کے ناجائز استعمال سے روک دیا۔ آپؓ نے فرمایا:

تمہارے بھائی کو جس چیز سے فائدہ ہے تم اسے اس سے کیوں روکتے ہو، جب کہ وہ تمہارے لیے بھی مفید ہے، یہ پانی آغاز میں اور آخر میں بھی تمہاری فصل کو سیراب کرے گا اور اس میں تمہارا کوئی نقصان نہیں۔ جب محمد بن مسلمہؓ کسی طور اجازت دینے کے لیے تیار نہ ہوئے تو حضرت عمرؓ نے اس عملِ تعسّف پر اپنی شدید ناپسندیدگی کا اظہار فرماتے ہوئے قسمیہ انداز میں فرمایا: وَاللّٰهِ لَيَمُرَّنَّ بِهِ وَلَوْ عَلَى بَطْنِكَ (65) (بخدا، یہ نالی ضرور گزرے گی، خواہ اسے تمہارے پیٹ پر سے ہی گزارنا پڑے۔)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مخصوص حالات میں اہلِ کتاب کی عورتوں سے شادی کرنے سے بھی منع کر دیا تھا۔ یہ استعمالِ حق سے منع کرنے کی ایک اور مثال ہے جب کہ غالب گمان کے تحت اس سے عام نقصان کا اندیشہ ہو (66)۔ یہاں عام نقصان یہ تھا کہ فتوحات کے بعد مسلمان، اہلِ کتاب عورتوں کی خوب صورتی کے باعث بکثرت ان سے شادیاں کرنے لگ گئے تھے جس کی وجہ سے مسلمان عورتوں کو بآسانی شوہر دستیاب نہیں ہو رہے تھے۔ یہ ایک ایسی تکلیف دِہ صورت حال تھی جس کے باعث مسلمان خواتین کے حرام کاری میں مبتلا ہونے کا اندیشہ تھا۔ (67)

پہلی مثال میں حضرت عمر نے انفرادی نقصان کے دفعیہ کے لیے حقِ ملکیت کے بے جا استعمال کو روکنے کا فیصلہ کیا جب کہ دوسری صورت میں ایک عام معاشرتی نقصان کا دروازہ بند کرنے کے لیے مباح حق کے استعمال پر پابندی عائد کر دی۔ بلا شبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنے فیصلوں میں حدیث ''لاَ ضَرَرَ وَلاَ ضِرَار'' (68) اور مقاصدِ شریعت سے رہنمائی حاصل کرتے تھے، کیوں کہ ان کے فیصلوں کی علّت قرآن وسنّت سے مستفاد، روحِ شریعت کے مطابق اور مصالح کے حصول ومفاسد کے دفعیہ کے قاعدے پر مبنی ہوتی تھی۔

فقہِ صحابہ سے تعسف کی ایک مثال یہ ہے کہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نے اپنی اہلیہ کو مرضِ وفات کے دوران طلاقِ بائن دی اور اسی مرضِ وفات میں، جب کہ ان کی اہلیہ ابھی عدت میں تھیں، ان کی طلاق ہوئی۔ اس پر حضرت عثمان نیان کی اہلیہ کی وراثت کا فیصلہ سنایا۔ (69) ابنِ تیمیہ کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ، حضرت ابی بن کعبؓ اور تمام بدری صحابہ کی بھی یہی رائے تھی کہ مرضِ وفات میں مطلقہ ہونے والی خاتون کو وراثت ملے گی۔ (70)

اگرچہ مرضِ وفات میں طلاق کی صورت میں طلاق کے مانعِ وراثت نہ ہونے کے حوالے سے قرآن وسنت کی کوئی نص موجود نہیں ہے بلکہ اس کے برعکس نصوص مرد کے حقِ طلاق کے حوالے سے واضح ہیں تاہم چونکہ ایسے وقت میں حقِ طلاق کا استعمال

ایک ایسا فعل ہے جو شارع کے معین کردہ مقصدِ طلاق کے برخلاف ہے جسے خاوند بطورِ وسیلہ بیوی کو ضرر پہنچانے کے لئے استعمال کرتا ہے، اس لئے اسے تعسف اور ممنوع قرار دیا گیا۔

خلاصۂ کلام یہ کہ قرآن وسنت کی نصوص اور فقہِ صحابہ کی مثالوں سے واضح ہوتا ہے کہ نہ صرف اپنے حق سے تجاوز کرنا غلط ہے بلکہ اپنے حق کا بایں طور استعمال بھی درست نہیں جو دوسرے کے لیے موجبِ ضرر ہو یا مقصدِ شارع کے برخلاف ہو۔

حواشی وتعلیقات

(1) البَقَرَة(2):233

(2) القرطبی: الجامع لأ حکام القرآن، 167/3؛ ابن جزی: القوانین الفقهیة، 2/6،217؛ ابن رشد: بدایة المجتهد، 47/2؛ البهوتی: کشاف القناع، 462/3

(3) البَقَرَة(2):233

(4) الجصاص: احکام القرآن، 479/1

(5) البَقَرَة(2):233

(6) القرطبی: الجامع لأ حکام القرآن، 167/3؛ ابن جزی: القوانین الفقهیة، 2/6،217؛ ابن رشد: بدایة المجتهد، 47/2؛ البهوتی: کشاف القناع، 462/3

(7) القرطبی: الجامع لأ حکام القرآن، 167/3

(8) الجصاص: احکام القرآن، 480/1

(9) الجصاص: احکام القرآن، 480/1

(10) الجصاص: احکام القرآن، 480/1

(11) البَقَرَة(2):233

(12) ابن رجب: جامع العلوم والحکم، 268

(13) دیکھئے: القرطبی: الجامع لأ حکام القرآن، 167/3؛ الطبری: جامع البیان فی تأویل القرآن، 46/5

(14) الجصاص: احکام القرآن، 479/1-480

(15) بلا معاوضہ

(16) بچے کی زندگی کا تحفظ مقاصدِ اصلیہ ضروریہ میں سے ہے جن میں مکلّف کو اختیار نہیں ہوتا، کیوں کہ ان کا تعلق حقوق اللہ سے ہوتا ہے۔

(17) القرطبی: الجامع لأ حکام القرآن، 67/3

(18) ابن رجب :جامع العلوم والحکم،268

(19) ابن رجب :جامع العلوم والحکم،268-279؛الزمخشری:الکشاف،141-142

(20) الأنعام(6): 108

(21) مسلم بن الحجاج بن مسلم القشیر ی : صحیح مسلم،حدیث نمبر130، 1/245 ،كِتَاب الْإِيمَانِ، بَاب بَيَانِ الْكَبَائِرِ وَأَكْبَرِهَا

(22) ابن تیمیۃ تقی الدین احمد بن عبدالحلیم :الفتاوی الکبری،6/174

(23) النّسآء(4):12

(24) ابن رجب جامع العلوم والحکم،267-268

(25) القرطبی:الجامع لأحکام القرآن،81/5،48 وبعد

(26) ابن تیمیۃ:الفتاوی الکبری،36/3

(27) النّسآء(4):12

(28) ابن تیمیۃ:الفتاوی الکبری،40/3

(29) القرطبی:الجامع لأحکام القرآن،252/2؛ الجصاص:احکام القرآن،200/1

(30) المآئدۃ(5):2

(31) البیہقی:سنن البیہقی الکبری،حدیث نمبر12962، 271/6، باب مَا جَاءَ فِي قَوْلِهِ عَزَّ وَجَلَّ (وَلْيَخْشَ الَّذِينَ لَوْ تَرَكُوا الخ) وَمَا يُنْهَى عَنْهُ مِنَ الإِضْرَارِ فِي الْوَصِيَّةِ

(32) الترمذی:سنن الترمذی،حدیث نمبر 2043، 485/7، كِتَاب الْوَصَايَا عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، بَاب مَا جَاءَ فِي الضِّرَارِ فِي الْوَصِيَّةِ

(33) النّسآء:12-13

(34) البقرۃ(2):6

(35) الْبَقَرَة(2):231

(36) الْبَقَرَة(2):228

(37) الْبَقَرَة (2):231

(38) طلاقِ رجعی دخول کے بعد طلاق کے لفظ کے ساتھ ہوتی ہے اور اس کی تعداد تین سے کم ہوتی ہے۔(البرکتی :التعریفات الفقہیۃ،302/1)

(39) ابن رجب:جامع العلوم والحکم،126/3، 268؛البزدوی:كنز الوصول إلى معرفة الأصول (أصول البزدوی)،89/1

(40) الطبری:جامع البیان فی تأویل القرآن،9/5؛الزمخشری:الکشاف،14/1

(41) الطبری:جامع البیان فی تأویل القرآن،8/5

(42) الطبری: جامع البیان فی تأویل القرآن، 78/5

(43) الْبَقَرَة (2):228

(44) ابن رجب: جامع العلوم والحکم، 268

(45) ابن رجب: جامع العلوم والحکم، 268

(46) الْبَقَرَة(2):280

(47) البخاری: صحیح البخاری، حدیث نمبر2400، 155/6، کِتَاب فِي الِاسْتِقْرَاضِ وَأَدَاءِ الدُّيُونِ وَالْحَجْرِ وَالتَّفْلِيسِ، بَاب مَطْلُ الْغَنِيِّ ظُلْمٌ

(48) عزالدین:قواعد الأحكام في مصالح الأنام، 109/1

(49) الْبَقَرَة(2):280

(50) الکاسانی: بدائع الصنائع، 173/7

(51) الطبرانی: المعجم الکبیر، حدیث نمبر11641، 498/9

(52) دیکھئے: ابن رجب: جامع العلوم والحکم، 267 جہاں حدیث کی تطبیق کرتے ہوئے حق کے استعمال میں دوسرے کو نقصان پہنچانے کی نیت سے متعلق متعدد مثالیں بیان کی گئی ہیں۔

(53) ترجمہ: (نقصان کو حتی الامکان روکا جائے)

(54) لجنة مكونة في الخلافة العثمانية:مجلة الاحكام العدلية، دفعة:31

(55) الزیلعی: تبیین الحقائق، 196/4، جس نقصان کے پہنچنے کا غالب گمان ہو اسے پہنچنے سے پہلے روکنا بہتر ہے کیوں کہ نقصان کی تلافی کی نسبت نقصان کا روکنا زیادہ آسان ہے۔ وقوع تعسّف سے قبل ممانعت کی اہمیت اس لیے بھی ہے کہ کبھی ایسا نقصان ہو جاتا ہے جو نا قابلِ تلافی ہوتا ہے۔

(56) أبوداود: سنن أبي داود، حدیث نمبر3152، 42/10، كِتَاب الْأَقْضِيَةِ، بَاب مِنْ الْقَضَاءِ

(57) أبوداود: سنن أبي داود، حدیث نمبر3152، 42/10، كِتَاب الْأَقْضِيَةِ، بَاب مِنْ الْقَضَاءِ

(58) البخاری: صحیح البخاری، حدیث نمبر2493، 322/6، كِتَاب الشَّرِكَةِ، بَاب هَلْ يُقْرَعُ فِي الْقِسْمَةِ وَالِاسْتِهَامِ فِيهِ

(59) البخاری، ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل : صحیح البخاری، حدیث نمبر6979، 17/420، كِتَاب الْحِيَلِ، بَاب احْتِيَالِ الْعَامِلِ لِيُهْدَى لَهُ؛ مسلم بن الحجاج بن مسلم القشیری : صحیح مسلم، حدیث نمبر3414، 9/360، كِتَاب الْإِمَارَةِ، بَاب تَحْرِيمِ هَدَايَا الْعُمَّالِ

(60) یعنی بیوی کا دوبارہ اس خاوند کی طرف لوٹ جانا جس نے اسے طلاق دی ہے۔

(61) الطبرانی، ابوالقاسم، سلیمان بن احمد: المعجم الکبیر، حدیث نمبر11401، 9/425

(62) مسلم بن الحجاج بن مسلم القشیری : صحیح مسلم، حدیث نمبر2536، 7/229، كِتَاب النِّكَاحِ، بَاب تَحْرِيمِ الْخِطْبَةِ عَلَى خِطْبَةِ أَخِيهِ حَتَّى يَأْذَنَ أَوْ يَتْرُكَ

(63) البخاری، ابوعبداللہ، محمد بن اسماعیل : صحیح البخاری، حدیث نمبر 4747، 16/110، كِتَاب النِّكَاحِ، بَاب لَا يَخْطُبُ عَلَى خِطْبَةِ أَخِي
حَتَّى يَنْكِحَ أَوْ يَدَعَ؛ النسائی، احمد بن شعیب ابوعبدالرحمٰن : سنن النسائی، حدیث نمبر 3189، 10/349، كِتَاب النِّكَاحِ، بَاب النَّهْيُ
يَخْطُبَ الرَّجُلُ عَلَى خِطْبَةِ أَخِيهِ

(64) دیکھئے: وہبۃ الزحیلی : الفقہ الإسلامی وأدلتہ، 9/11، 107

(65) مالک بن انس: الموطأ، حدیث نمبر 2761، 1080/4، كِتَاب الْأَقْضِيَةِ، بَاب الْقَضَاءِ فِي الْمَرْفِقِ

(66) الطبری: تاریخ الطبری، 147/6؛ الجصاص: احکام القرآن، 398/2

(67) الشلبی: تعلیل الاحکام، 43

(68) الطبرانی: المعجم الکبیر، حدیث نمبر 11641، 498/9

(69) ابن القیم: اعلام الموقعین، 126/3؛ ابن الہمام: فتح القدیر، 151/5

(70) ابن تیمیہ: الفتاوی الکبری، 143/3